© rasailojaraid.com

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں موجودہ انتخابات

موافق اور مخالف آراء کا جائزہ

۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد نے نظام مصطفےٰ کے نام پر جو تحریک چلائی، عوام نے اس تحریک کو اپنے خون سے سینچا اور پروان چڑھایا۔ بالآخر یہ تحریک اللہ کے فضل و احسان سے بارآور ہوئی اور مسلمانوں کو ان کی توقعات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے انعامات سے نوازا۔ اس وقت قائدین تحریک کے دو مطالبات تھے۔ اسلامی نظام کا نفاذ اور سابقہ بوگس انتخابات کے بجائے دوبارہ انتخابات کا انعقاد۔ تحریک کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مخلص اور اسلام کے شیدائی بندے کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ اور بھٹو صاحب کو، جن سے دوبارہ انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا، بھی بہ نفس نفیس اقتدار سے الگ کرایا۔ گویا دوبارہ انتخابات کے لئے از خود ہی بنیاد مہیا ہو گئی۔

لیکن عوام جنہوں نے قربانیاں دے کر تحریک کو کامیاب بنایا تھا، ان کے پیش نظر صرف اسلامی نظام کا عملی نفاذ اور اس سے والہانہ محبت تھی۔ عوام کو دوبارہ انتخابات کے مسئلہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اگر انتخابات کے دوبارہ انعقاد کو ہی تحریک کا بنیادی مسئلہ قرار دیا جاتا تو اس قوت سے تحریک کا زور پکڑنا یقیناً ناممکنات سے تھا۔

اس کامیابی کے فوراً بعد ہی ہماری بدقسمتی کا دور شروع ہو گیا۔ ابھی قربانیاں پیش کرنے والوں کے خون کے دھبے بھی صاف نہ ہوئے تھے کہ بعض جماعتیں قومی اتحاد سے نکلنا شروع ہو گئیں۔ انہوں نے نہایت ڈھٹائی سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تحریک کا اصل مقصد بھٹو کو راستہ سے ہٹانا تھا۔ وہ مقصد پورا ہو چکا لہٰذا اب اس قومی اتحاد کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور اتحاد سے باہر نکلتے ہی اسلامی نظام والی بات تو نظر انداز کر دی اور موجودہ حکومت سے انتخابات کے انعقاد کا مطالبہ شروع کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان لیڈروں کی یہ روش عوام سے بدترین قسم کی غداری تھی۔ لیکن ستیاناس ہو اس خود غرضی، جاہ طلبی اور ہوسِ اقتدار کا، کہ آہستہ آہستہ قومی اتحاد کے باہر اور اندر کی سب جماعتوں نے "انتخابات" "انتخابات" کی رٹ لگانا شروع کر دی۔ اور یہ واویلا اس وقت شروع کیا گیا جبکہ نئی حکومت اسلامی نظام کے نفاذ کے ابتدائی مراحل کا اعلان کر رہی تھی۔ اور اس طرف تھوڑی بہت پیش رفت بھی ہو چکی تھی۔ دین بیزار سیاسی جماعتوں کو تو اسلامی نظام درکار ہی نہ تھا، جو چند جماعتیں اسلامی نظام چاہتی بھی تھیں۔ انہیں یہ تکلیف ہونے لگی کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا سہرا تو ان کے سر بندھنا چاہیئے تھا۔ لہٰذا وہ بھی یہ چاہتی تھیں کہ جنرل ضیاء الحق کسی طرح جلد از جلد اقتدار سے الگ ہو جائے اور اس کی آسان صورت یہی تھی کہ انتخابات جلد از جلد ہوں۔ بالفاظ دیگر ان سیاسی پارٹیوں کے اغراض اور مفادات گو مختلف تھے۔ تاہم جنرل ضیاء الحق کو اقتدار سے جلد از جلد علیحدہ کرنے اور اس طرح اسلامی نظام میں رکاوٹ کا باعث بننے اور عوام سے غداری کے جرم میں سب برابر کے شریک رہے۔

جنرل ضیاء الحق نے اسلامی نظام کے نفاذ سے متعلق جو چند اعلانات کیے ان پر عملدرآمد نہ ہو سکا وہ بس صدا بصحرا ہی ثابت ہوئے۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو فرسودہ نظام کی بیوروکریسی کا طلسماتی چکر ہے۔ جس میں مغربی نظام کے پروردہ وہ افراد پیش پیش ہیں، جو اسلامی نظام میں اپنی موت دیکھتے ہیں اس لیے وہ نہایت چابکدستی سے حکومت کی پالیسیوں کو ناکام بنا کر اس حکومت کو فیل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ لیکن اس ناکامی کی ایک بڑی وجہ ان سیاسی قائدین کی موجودہ حکومت سے عدم تعاون کی معاندانہ پالیسی ہے کہ ہر لیڈر مسلسل اس قسم کے بیان دیتا رہتا ہے کہ حکومت کو جلد از جلد انتخاب کروا کر اقتدار سے الگ ہو جانا چاہیے۔ اور اسے منتخب نمائندوں کے سپرد کر دینا چاہیئے اور نوبت بایں جا رسید کہ پچھلے ادوار کی گرتی ہوئی معیشت اور معاشرہ میں پھیلی اور بڑھتی ہوئی ہر طرح کی بدعنوانیوں کا ذمہ دار بھی موجودہ حکومت کو قرار دے کر اسے بدنام کرنا شروع کر رکھا ہے بات اس سے آگے بڑھ گئی اور اب ہر سیاسی لیڈر نے جنرل ضیاء الحق کی ہر بات کی خواہ وہ درست ہی کیوں نہ ہو مخالفت کرنا اپنا شعار بنا لیا۔[1] مثلاً جنرل صاحب نے کہا کہ "ہمارے ملک میں پارلیمانی نظام کے بجائے

---

[1] واضح رہے کہ جنرل صاحب کے یکم جنوری ۱۹۷۹ء کے خطاب سے قبل جس میں آپ نے کتاب و سنت کی بالادستی کی پالیسی کا اعلان کیا تھا یہی لوگ کہتے تھے۔ کہ ایسا اعلان بھی منتخب حکومت ہی کر سکتی ہے۔ گویا کلمہ پڑھنے کے لئے بھی عوام کا منتخب نمائندہ ہونا ضروری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدارتی نظام بہتر ہے اور اسلامی نظریہ کے قریب تر بھی ہے۔" لیکن سیاسی بزرگوں نے کہا "تم کون ہوتے ہو یہ بات کہنے والے! یہ بات منتخبہ حکومت پر چھوڑ دو۔ انتخابات کراؤ اور اپنی راہ لو۔" اب اگر یہی بات قائدِ اعظمؒ کہہ دیں تو سب اسے تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ اور ضیاء صاحب کریں تو ان کی مخالفت کرنا اپنا ضروری فریضہ سمجھتے ہیں۔

ایسی صورتِ حال ہی عام انتخابات سے قبل بلدیاتی انتخابات کے مسئلہ میں پیش آئی۔ ایک ایک سیاسی جماعت نے اس تجویز کی مخالفت کی ہے کہ بلدیاتی انتخابات کا منعقد کرانا صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہے لہٰذا جنرل صاحب کو یہ انتخابات نہ کرانے چاہئیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مدت سے بلدیاتی انتخابات نہیں کرائے گئے۔ جبکہ ان انتخابات کے نتیجہ میں بہت سے عوامی مسائل حل ہو جاتے ہیں اور سیاسی لیڈران انتخابات کی محض اس وجہ سے مخالفت کر رہے ہیں، کہ اس طرح عوام پر ان کی گرفت کمزور پڑ جانے کا خطرہ ہے۔

متناسب نمائندگی کا مسئلہ بھی ایسا ہے جسے سب سیاسی جماعتوں نے یکے بعد دیگرے مسترد کر دیا ہے۔ حالانکہ انہی پارٹیوں میں سے بہت سوں کے منشور میں اسے پسندیدہ قرار دے کر قوم سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ غرض ہمارے سیاسی لیڈروں کے پاس ہر مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ اسے منتخبہ حکومت پر چھوڑ دیا جائے۔ اور ہر مشکل کا حل یہ ہے کہ عوام کے جملہ مسائل بس منتخبہ حکومت ہی حل کر سکتی ہے گویا انتخاب امرت دھارا ہے جب کوئی مسئلہ درپیش ہوا۔ اسے ہی اس کا علاج ٹھہرایا گیا۔

سیاسی قائدین کے اس رویہ نے موجودہ حکومت کو سخت پریشان کر دیا ہے۔ ایسے حالات میں ملک کی بہتری یا اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں کیا کچھ پیش رفت ہو سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ حکومت نے انتخابات کے انعقاد کی تاریخ مقرر کر کے ان سیاسی بزرگوں کی کسی حد تک زبانیں بند کر دی ہیں مگر دیندار طبقہ جو اسلام کا درد رکھتا اور اس کے لئے قربانیاں پیش کر چکا تھا۔ اس صورتِ حال سے سخت مضطرب ہوا۔ اور اس نے موجودہ حکومت سے واضح الفاظ میں یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ پاکستان اسلام کے نام پہ حاصل کیا گیا تھا۔ اور ایک اسلامی ریاست کا اصل مقصد اسلامی نظام کا دور دورہ ہے نہ کہ انتخابات کا انعقاد۔ لہٰذا موجودہ حکومت کو چاہیے کہ اپنی تمام تر توجہ اصل مقصد کی طرف مبذول کرے اور انتخابات کو اس وقت تک ملتوی کر دینا چاہیئے۔ جب تک کہ اسلامی نظام عملی طور پہ نافذ نہیں ہو جاتا۔ اس مطالبہ کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ نئے انتخابات اسلامی طرز پہ ہونے چاہئیں۔ جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ نظام عملاً رائج ہو۔ مغربی طرزِ انتخاب سے اس لئے گریز کرنا چاہیئے، کہ یہ اپنے دامن میں بے شمار برائیاں اور قباحتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمیٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے اسلامی نقطۂ نگاہ سے بھی ایک ناجائز فعل ہے۔ اس طرزِ انتخاب کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ضلالت و بہیمیت ہی برسرِ اقتدار آئے گی۔ اور اسلامی نظام کی طرف جو تھوڑی بہت پیش رفت ہوئی ہے۔ اس پر پانی پھر جائے گا۔ اس مطالبہ کا تیسرا پہلو یہ بھی تھا کہ عوام کو اور خود پاکستان کو سیاسی بھیڑیوں سے بچایا جائے۔ جو نت بھانت بھانت کی بولیاں بول رہے ہیں۔ خود تو افتراق و انتشار کا شکار ہیں۔ اب ملک کو بھی داؤ پر لگا رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ سیاسی لیڈروں کی امنگوں کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا سیاسی سطح سے اس کے خلاف ایک شور اُٹھ کھڑا ہوا۔ دین بیزار جماعتوں سے تو یہ واویلا متوقع تھا ہی۔ حیرت یہ ہے کہ دین پسند جماعتیں بھی سامنے آگئیں۔ اور دلائل کے زور سے موجودہ طرزِ انتخاب کو درست اور جائز ثابت کیا جانے لگا۔ آج ہم انہی دلائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

دلیل اوّل

پہلی دلیل یہ ہے کہ جنرل ضیاء واقعی ایک مخلص آدمی ہے لیکن اگر وہ موجودہ بدعنوانیوں سے گھبرا کر اقتدار کسی دوسرے شخص کے حوالے کر کے چلا جائے۔ جیسا کہ صدر ایوب نے یحییٰ خاں کو اقتدار سونپ کر اپنی راہ لی تھی یا جس طرح بھٹو صاحب نے یحییٰ خاں سے اقتدار چھین کر اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اسی طرح کوئی دوسرا شخص جنرل ضیاء الحق کو بھی علیحدہ کر دے۔ اور اس کا جانشین کوئی بدکردار آدمی بن جائے۔ تو اگر ہم انتخاب کا راستہ بھی روک دیں تو ہمارے پاس دوسری ایسی کونسی قوت ہے جس کی بنا پر اسے اقتدار سے ہٹایا جا سکے۔ لہٰذا ہمیں کسی قیمت پر انتخابات کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے۔

بہ ظاہر یہ دلیل وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ دلیل کئی لحاظ سے محلِ نظر ہے۔

سب سے پہلی قابلِ ذکر بات تو یہ ہے کہ کیا موجودہ سربراہ واقعی بدکردار آدمی ہے اگر ایسا ہی ہے تو پھر یہ اندازِ فکر برمحل اور حسبِ موقع ہے لیکن اگر معاملہ اس سے مختلف ہے تو پھر اس اندازِ فکر کا یہ کونسا موقع ہے؟ جنرل ضیاء کی خلوصِ نیت کا اعتراف تمام اسلامی دنیا کو ہے اور وہ بیانات کی حد تک اسلامی نظام کی طرف پیش رفت بھی کر چکا ہے۔ وہ بیوروکریسی اور سیاسی نبرد آزماؤں کی عدم تعاون اور معاندانہ پالیسیوں کی وجہ سے ان احکامات اور اعلانات پر عملدرآمد نہیں کرا سکا۔ جبکہ شریعت کی رو سے اہالیانِ پاکستان پر اس کی اطاعت لازم و واجب ہو جاتی ہے اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے دوبارہ انتخابات پر زور دینا اور اسے اقتدار سے ہٹانے کی فکر کرنا ایک جرمِ عظیم ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عن أم الحصين قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وإن أمر عليكم عبد مجدع يقودكم بكتاب الله فاسمعوا له وأطيعوا (رواہ مسلم)

حضرت ام حصین کہتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کوئی نکٹا غلام بھی تمہارا امیر مقرر کر دیا جائے تو اس وقت تک اس کی بات سنو اور مانو جب تک وہ تمہیں اللہ کے حکم کے مطابق چلاتا ہے۔

اس ارشاد میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ وہ تمہارا منتخب نمائندہ ہو یا چور دروازے سے نہ آیا ہو، نہ ہی یہ تخصیص ہے کہ وہ خوبصورت، تنومند کھاتا پیتا آدمی ہو۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق چلاتا ہو" خواہ وہ بد شکل اور حسب ونسب کے لحاظ سے کمتر ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک وہ شرعی نظام کے نفاذ میں کوشاں رہے۔ از روئے شرع مبین اس کی اطاعت واجب ہے لہٰذا ہم اپنے تمام دیندار بھائیوں سے درخواست کریں گے کہ سرکارِ دو عالم کے فرمان کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے خالص خوشنودی خدا کو سامنے رکھ کر شرعی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں جنرل ضیاء کا ہاتھ بٹائیں اور ان خود سیاسی لیڈروں کے بھرے میں نہ آئیں۔ [1]

دلیل میں جس اضطراری حالت کی وجہ سے فرار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس اضطرار و اضطراب کا بیشتر حصہ تو ان سیاسی لیڈروں کے روزمرہ معاندانہ بیانات کا مرہون منت ہے۔ اب اسے جنرل صاحب کی طبیعت کی نرمی کہیئے یا کمزوری طبع۔ کہ سیاسی بزرگ ان کے فرار کی بات سوچ رہے ہیں۔ ورنہ اگر جنرل صاحب تھوڑی سی جرأت سے کام لیں تو یہ سیاسی بزرگ خود فرار کی راہیں تلاش کرنے لگیں۔

اس دلیل کا دوسرا توجہ طلب پہلو یہ ہے کہ اگر کوئی بدکردار آدمی اقتدار پر مسلط ہو جاتا ہے تو

---

[1] ۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابتری حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے یہ لوگ جنرل صاحب کی تنہائی اور اسلامی مشینری کے فقدان کا ذکر شد و مد سے کرتے ہیں۔ جب یہی سوال ان سے کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس تربیت افراد کی ایک ٹیم موجود ہے۔ جسے اقتدار حاصل کر کے وہ ہر ناکے پر بٹھائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ اسلام سے مخلص ہیں تو یہی ٹیم اقتدار میں شریک ہو کر یا اقتدار سے علیحدہ ہو کر بھی کیوں نہیں پیش کرتے۔ کیونکہ نعرہ تو اسلامی نظام کا لگاتے ہیں۔ کیا اگر جنرل صاحب کے ذریعے ان کی تربیت یافتہ افراد کے تعاون سے اسلام کا دور دورہ ہو تو وہ اسلام قبول نہ ہو گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا واقعی اسے انتخابات کے ذریعہ ہٹایا جاسکتا ہے۔؟ ہمارے خیال میں اس کا جواب سراسر نفی میں ہے اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ اگر کوئی بدکردار آدمی انتخابات کے ذریعہ اقتدار سے الگ کیا جاسکتا ہے تو وہ بدکرداری کیا ہوا؟ ۱۹۶۵ء میں قوم کی اکثریت نے مس فاطمہ جناح کی حمایت کر کے صدر ایوب کو اقتدار سے الگ کرنا چاہا تھا۔ مگر عوام کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ صدر ایوب اقتدار سے الگ نہ کیا جاسکا۔ اسی طرح ۱۹۷۷ء میں قوم کی اکثریت نے انتخاب کے ذریعہ بھٹو صاحب سے نجات حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ تو کیا اس اکثریت کو اپنے مشن میں کامیابی ہوئی تھی۔؟ اب ان شواہد کے بعد بھی اگر کوئی صاحب اس بات پر مصر ہوں کہ انتخابات پُرامن ذریعہ انتقال اقتدار ہے تو بس اس کی خوش فہمی کی داد ہی دینا چاہیئے۔

کسی بدکردار آدمی کو اقتدار سے ہٹانے کا ذریعہ صرف ایک ہی ہے اور وہ عوامی تحریک ہے، انتخابات نہیں۔ اسی تحریک کے ذریعہ صدر ایوب کو فرار کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا اور اسی عوامی تحریک کے ذریعہ قوم کو بھٹو صاحب سے نجات ملی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ پاکستان میں عوامی تحریک بھی صرف اس وقت کامیاب ہوتی ہے جب اس کے ڈانڈے اسلام سے ملائے جائیں دوسرا کوئی نظریہ تحریک میں جان نہیں ڈال سکتا۔

تصریحات بالا سے یہ بخوبی واضح ہے۔ کہ کسی بدکردار آدمی سے نجات حاصل کرنے کے لئے موجودہ طرزِ انتخاب کو ایک کامیاب ذریعہ قرار دینا تجربہ کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔

دوسری دلیل | موجودہ طرزِ انتخاب کے انعقاد کے حق میں دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے۔ کہ موجودہ طرزِ انتخاب اور اسلامی طرزِ انتخاب کے اقتضاآت میں بعد المشرقین ہے۔ ہمارے عوام مغربی طرزِ انتخاب کے قواعد و ضوابط سے تو خوب مانوس ہیں۔ لیکن اسلامی طرزِ انتخاب سے عوام کو روشناس کرانے اور ان کا ذہن ہموار کرنے کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہے تو کیا اس طویل مدت کے لئے انتخابات کے انعقاد سے دست کش ہو جانا چاہیئے۔؟ اس درمیانی خلا کو پُر کرنے کے لئے بہتر طرزِ عمل یہی ہے کہ انتخابی طرزِ عمل میں ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ خراب عناصر کو مشکل سے آگے بڑھنے کا موقع ملے۔ نمائندے ایسے منتخب کئے جائیں جو دیندار ہوں۔ جرائم اور بدعنوانیوں سے طبعاً نفرت کرنے ہوں۔ پھر ایسے نمائندوں کے لئے بھرپور پروپیگنڈہ کیا جائے اور انہیں کامیاب بنا کر اسمبلیوں میں بھیجا جائے۔ تا آنکہ اسمبلی میں ایسے نیک افراد کی اکثریت ہو جائے۔ موجودہ حالات میں معاشرہ کی اصلاح اور اسلامی نظام کی ترویج کی یہی واحد صورت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ووٹوں سے اسلام آ سکتا ہے؟

اس دلیل کو زیادہ سے زیادہ جبری انتخاب کی شکل میں دفاعی طریقۂ کار تو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسے مطالبے کی صورت میں ہمیں افسوس ہے کہ ہم ان حضرات کی تائید نہیں کر سکتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آج تک عوام کے ووٹوں کی اکثریت کے ذریعہ اسلام آیا ہے اور نہ کبھی آ سکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو انبیاء علیہم السلام ضرور اس پُرامن ذریعہ انتقالِ اقتدار کو اپناتے بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے لئے اللہ کی کتاب قرآن کریم سے بہتر دستور نا ممکن ہے اور قرآن کریم کی اشاعت و تبلیغ کے لئے جو ان تھک اور جان توڑ کوششیں اولوالعزم پیغمبران خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائیں۔ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ آپؐ کو جان نثار اور مخلص پیروکاروں کی ایک جماعت بھی مہیا ہو گئی جو اسلام کے عملی نفاذ کے لئے صرف تبلیغ و اشاعت اور پروپیگنڈا پر انحصار نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی پوری کی پوری زندگیاں اسی قالب میں ڈھال لی تھیں۔ صحابہؓ کی جماعت گویا قرآنی تعلیمات کے مجسم چلتے پھرتے نمونے تھے۔ لیکن تیرہ سال کی انتھک کوششوں کے باوجود یہ تو نہ ہو سکا کہ حضور اکرمؐ مکہ میں اسلامی ریاست قائم کر لیتے، بلکہ جس دور کو بعض حضرات خلافت و ملوکیت کا تقابلی دور بتاتے ہیں اس دور میں یہ بات سامنے بھی آگئی۔ کہ حضرت حسینؓ اقلیت کی وجہ سے جام شہادت نوش کر گئے لیکن اکثریت کا ساتھ نہ دے سکے۔ پھر جب اس بہترین دستور کو عملاً نافذ کرنے کے لئے دنیا بھر کے بہترین کارکن اسے کثرت رائے کی بنیاد پر رائج نہیں کر سکے۔ تو آج کے دور میں یہ صورت کیونکر ممکن ہے۔؟

اسلامی نظام کی ترویج کے لئے اقتدار کی ضرورت سے انکار نہیں۔ لیکن رائے عامہ کو محض تبلیغ و ترغیب کے ذریعے ہموار کرنا اور اس طرح اسلامی انقلاب لانا ایک خیال خام ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہجرت، جہاد اور حسب حال ایسے ہی دوسرے ذرائع اختیار کرنا پڑیں گے، جیسا کہ انبیاء کرام اور مجاہدین اسلام کا دستور رہا ہے۔

دین پسند جماعتوں میں جماعت اسلامی ایک فعال جماعت ہے جس کی جڑیں خاصی مضبوط اور شاخیں ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسلام کا نعرہ بلند کرنے میں اس جماعت کی کوششیں شک و شبہ سے بالا ہیں، مخلص کارکنوں اور صالحین کی ایک معتد بہ جماعت بھی اسے میسر ہے، پھر عرصۂ دراز سے وہ معاشرہ کی اصلاح کے لئے تبلیغ و اشاعت کا کافی کام بھی کر رہی ہے، مزید براں دین پسند عوام میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی شہرت بھی اچھی ہے[1]۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود جب سے اس نے الیکشن میں حصہ لینا شروع کیا ہے۔ ہر بار وہ مایوس کن حد تک ناکامی سے دوچار ہوئی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں یحییٰ خان نے انتخابات کروائے۔ اور پاکستان کی تاریخ میں غالباً یہی ایک موقعہ ایسا آیا ہے جبکہ انتخابات فی الواقع آزادانہ اور منصفانہ وقوع پذیر ہوئے۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ الیکشن سے صرف ایک دن پہلے تک تمام سیاسی مبصرین اور اخبارات کی یہی رائے تھی کہ پیپلز پارٹی اور جماعت اسلامی کا انتخابی مقابلہ برابر کی چوٹ ہے لیکن جب نتیجہ نکلا تو پیپلز پارٹی بھاری اکثریت سے جیت گئی۔ جبکہ جماعت اسلامی کو صرف ۴ نشستیں حاصل ہو سکیں۔

ایسے مایوس کن نتائج سے جماعت کے کارکنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور ان کے جذبات شدید مجروح ہوئے۔ اپنے اس دردِ نہاں کو سربراہ جماعت کے پاس لے گئے۔ مولانا مودودی صاحب نے فرمایا "جن لوگوں نے کرسی حاصل کرنے کے لئے قربانیاں دی تھیں وہ سن لیں کہ وہ غلطی پر تھے اور جنہوں نے محض رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھا تو ان کا ثواب ضائع نہیں ہوگا۔"

مولانا موصوف کا جواب بڑا معقول تھا۔ جن لوگوں نے خلوص دل سے اسلامی نظام کی ترویج کے لئے مال یا وقت کی قربانی دی تھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ لیکن یہاں اصل مسئلہ اجر کے ضیاع کا نہ تھا۔ بلکہ اسمبلیوں میں نشستیں حاصل کرنے کا تھا یا یہ سوچنے کا موقع تھا کہ آیا عوام کے ووٹوں کی کثرت سے اسلام لایا بھی جا سکتا ہے یا نہیں۔؟ یا یہ کہ کہیں ان مخلص کارکنوں کی قیادت ہی کسی غلط راستہ پر تو نہیں ہو رہی۔؟ اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسی ناکامی محض مغربی طرز کے انتخابات کے نتیجہ میں واقع ہوئی تھی۔ کیونکہ ایسے انتخابات کے نتائج سے اصلاح و فلاح کی توقع رکھنا عبث ہے اور ہمیشہ ضلالت اور حیوانیت ہی فروغ پاتی ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک ہے۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ   (اے نبی!) اگر آپ لوگوں کی اکثریت کے

---

[1] سیلاب کے دنوں میں مختلف جماعتوں نے سیلاب زدہ افراد کی امداد و علاج کے لئے کیمپ لگائے تھے اس وقت عام لوگوں نے یہ مشاہدہ کیا کہ پیپلز پارٹی کے خیرات دہندہ لوگ، اپنے دور حکومت ہونے کے باوجود، اپنی امدادی رقوم جماعت اسلامی کے کیمپ میں دیا کرتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ جماعت اسلامی کے کارکنوں کی دیانت مسلم تھی جبکہ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے متعلق ان کا اپنا نظریہ بھی یہ تھا کہ یہ لوگ امدادی رقوم یا اس کا اکثر حصہ خود ہی ہڑپ کر جائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۔ (۶/۱۱۷) پیچھے لگیں گے تو یہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھکا دیں گے۔

تیسری دلیل تیسری دلیل مارشل لاء کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے۔ کہ فوج کا اصل کا
سرحدوں کی حفاظت ہے حکومت کرنا نہیں ہے۔ لہٰذا حکومت کو چاہیے کہ جلد از جلد انتخابات کروا
کر اپنے اصل کام کی طرف توجہ دے۔ اس وقت فوج کی توجہ حکومت اور سرحدی حفاظت دو حصوں
میں بٹی ہوئی ہے اور آج جبکہ ہمسایہ ملک افغانستان میں جنگ کی وجہ سے سرحدوں کی حفاظت کی
ضرورت بھی زیادہ ہے تو فوج کو جلد از جلد اقتدار سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔

اور جن لوگوں کے ذہن میں سرکشی، رعونت اور انتقام کا عنصر موجود ہے، وہ ان معانی کو الفاظ کا
یہ جامہ پہناتے ہیں۔ کہ فوج ہماری چوکیدار ہے۔ چوکیدار کا کیا حق ہے کہ وہ گھر کا مالک بن بیٹھے۔

کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں تیسری بار مارشل لاء لگ چکا ہے اگر چوتھی بار بھی لگ
گیا تو دوسرے ممالک کو پاکستان میں مداخلت کا جواز مل جائے گا اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ جس
ملک میں مارشل لاء لگ جائے وہ پچاس برس پیچھے جا پڑتا ہے۔

یہ سب باتیں جمہوریت کے پرستاروں کے ذہن کی پیداوار ہیں۔ ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں
کہ آج تک ملک کو شرابی حکمرانوں اور سیاسی بھیڑیوں سے فوج ہی بچاتی چلی آ رہی ہے۔ ورنہ کب
کا معاملہ صاف ہو چکا ہوتا۔ مارشل لاء کے دور میں ہی ملک کو کچھ نہ کچھ استحکام نصیب ہوتا رہا۔
اس لحاظ سے مارشل لاء عوام اور پاکستان کے لئے کئی بار باعثِ رحمت ثابت ہوا۔ رہا سرحدوں
کی حفاظت کا مسئلہ اور سرحدوں پر جنگ کا خطرہ تو اس قسم کے خطرہ سے سیاسی لیڈر حسبِ
ضرورت ڈراتے ہی آئے ہیں۔ جب ۱۹۷۷ء میں تحریک چلی تو اس وقت بھی خطرہ تھا اور آج بھی
خطرہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ جنگ کی صورت پیش آجائے تو اندرونی خلفشار جیسا
ہو گا۔ جنگ کے دوران قوم بنیان مرصوص بن ہی جایا کرتی ہے۔

اس کے برعکس اصل خطرہ انتخابات سے ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

انتخابات کا التوا کیوں ناگزیر ہے

یہ تو قومی اتحاد کی خوش فہمی ہے
کہ وہ الیکشن جیت جائے گی ا
جیتنے کے بعد ملک میں اسلامی نظام نافذ کرے گی۔ لیکن موجودہ صورتحال سے متعلق عمومی تاثر
کچھ ایسا ہے کہ موجودہ الیکشن میں پھر لادین سیاستدانوں کے جیتنے کا امکان ہے۔ پیپلز پارٹی تو اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے نعرہ سے "اسلام ہمارا دین ہے" سے بھی دست بردار ہو چکی ہے اور بر ملا سوشلزم کا نعرہ لگانے لگی ہے پھر بھٹو کا انتقام لینا اس کے پروگرام میں شامل ہے۔ خفیہ ایریشین لائنز تجویز ہو رہی ہیں اور جن جن افراد کو نشانہ بنانا ہے ان کی خفیہ فہرستیں بھی مرتب ہو رہی ہیں۔ اگر موجودہ انتشار میں کوئی ایسی پارٹی برسر اقتدار آگئی تو اسلام اور علمائے دین کا جو حشر ہو گا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ حالات کا رخ بتا رہا ہے کہ کسی مرحلہ پہ دین بیزار پارٹیوں کا اسلام پسندوں کے خلاف محاذ بنے گا۔ خواہ آپس میں ان کے دل کبیدہ ہی کیوں نہ ہوں۔ دینداروں کے خلاف ہمیشہ ایسے محاذ بنتے آئے ہیں۔ ایسی صورت میں تو ان کے بازی لے جانے کا قوی امکان ہے کیونکہ غیر ملکی مفادات بھی انہی سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا بیرونی سرمایہ پانی کی طرح بہے گا۔ یہ اتحاد صوبائی خود مختاری کے نام پہ ملک کی سالمیت کو تباہ کرے گا۔ بیرونی مداخلت کا سلسلہ بھی چل نکلنے کا امکان ہے۔ اندرونی حالات اسلام اور اسلامی نظام کا جو حشر ہو گا وہ ہر صاحبِ بصیرت کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس کے بعد قومی اتحاد کے جیتنے کا جو امکان رہ جاتا ہے وہ ہماری نظر میں بہت کم ہے۔ کیونکہ اس میں افتراق و انتشار کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اگر یہ جماعت جیت بھی جائے تو اس کے داخلی مسائل اتنے زیادہ اٹھ کھڑے ہوں گے کہ اسے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اور اس پر بھرپور توجہ صرف کرنے کا موقع ملنا ہی مشکل نظر آتا ہے اور اس کا وہی حال ہو گا۔ جیسا بھارت میں جنتا پارٹی کا ہوا۔ پھر ایسی اکثریت جو دستور میں ترمیموں کا از حد ضروری کام کر سکے اس کا تو امکان ہی بعید ہے۔

اب غور فرمائیے کہ ان صورتوں میں کوئی ایک صورت بھی پیش آگئی۔ تو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جو موقع آج بھی میسر ہے۔ وہ بھی ہاتھ سے نکل چکا ہو گا ــــ ان حالات میں کیا یہی مناسب نہیں کہ موجودہ حکومت کا جو سرکاری سطح پر اسلامی نظام کے نافذ کرنے میں کوشاں ہے ہر ممکن طریق سے ہاتھ بٹایا جائے۔ اور اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو ابھی اسلامی طرزِ انتخاب سے روشناس کرایا اور ان کے ذہنوں کو اس کے لئے ہموار کیا جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

انتخابات کرانے کے حامیوں کی طرف سے یہ اعتراض بڑے شد و مد سے اٹھایا جا رہا ہے کہ اگر مغربی طرز کے انتخابات اسلامی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہیں تو یہ آواز آج سے پہلے کیوں نہیں اٹھائی گئی۔ پاکستان کی دستور سازی کی تاریخ میں اس کا ذکر تک نہیں ملتا جب مختلف مکاتبِ فکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ۲۲ علمائے دین کے تعاون اور اتفاق سے قرار داد مقاصد منظور ہوئی تھی۔ اسی طرح ۱۹۵۶ء میں جب دستور مکمل ہوا۔ تو تمام سیاسی حلقوں نے اسے بہترین اسلامی دستور کی حیثیت سے قبول کیا۔ بعدازاں بھی کسی دور میں موجودہ طرزِ انتخاب کی مخالفت نہیں کی گئی۔ نہ ہی اسلامی طرزِ انتخاب پیش کرنے کے متعلق کچھ کام ہوا۔ آخر اس نکتے کو آج ہی اتنی اہمیت کیوں ملی؟

لطف کی بات ہے کہ قومی اتحاد کے ایک ممتاز رہنما نے ایک جلسہ میں تقریر کے دوران یہاں تک کہہ دیا کہ جس حدیث کی رو سے فلاں فلاں مولانا الیکشن کے لئے کھڑے ہوئے تھے اس حدیث کی رو سے بھی موجودہ الیکشن بھی جائز ہیں اور ساتھ ہی یہ فقرہ بھی چست کر دیا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ تار کسی اور جگہ سے ہلائی جا رہی ہے۔"

غور فرمائیے کہ اس قسم کے طرزِ استدلال سے کسی کو مطمئن کیا جا سکتا ہے۔ ایک طرف سے پر زور دلائل پیش کئے جا رہے ہیں تو دوسری طرف سے مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا کی دلیل سے جواب دیا جا رہا ہے۔

اب ہم مغربی طرزِ انتخاب کے ناجائز ہونے کے قرآن و سنت سے دلائل پیش کریں گے جن کا ہمیں قرآن و سنت ہی سے جواب بھی درکار ہے۔ پھر اس کے بعد اس بات کا جائزہ لیں گے کہ آیا آج سے پہلے کسی نے مغربی جمہوریت کے خلاف آواز اٹھائی ہے یا نہیں؟

مغربی طرزِ انتخاب کے ناجائز ہونے کے دلائل

۱۔ **اکثریت کا تتبع** اس طرزِ انتخاب کی بنیاد عوام کے ووٹوں کی کثرت و قلت پر ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ اگر آپ عام لوگوں کی اکثریت کے پیچھے لگیں گے تو وہ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔ ارشادِ باری ہے :۔

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (۶/۱۱۷)

اگر آپ اکثریت کے پیچھے لگ گئے تو وہ آپ کو راہِ ہدایت سے بہکا دیں گے۔

۲۔ **کرسی کی ہوس** ارشادِ نبوی ہے۔

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ

"دو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑے ہوئے دو بھوکے بھیڑیے اتنی تباہی نہیں مچا سکتے جتنی انسان کی حبِ جاہ و مال اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ (ترمذی) دین کے لئے تباہ کن ہو سکتی ہے۔"

۳۔ درخواست امیدواری ارشاد نبوی ہے :۔

اِنَّا وَاللّٰهِ مَا نُوَلِّيْ عَلٰى هٰذَا الْعَمَلِ اَحَدًا سَاَلَهٗ وَلَا اَحَدًا حَرَصَ عَلَيْهِ "

"خدا کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو حاکم نہیں بناتے جو اس کے لئے درخواست کرے اور نہ ہی کسی ایسے شخص کو حاکم بناتے ہیں جو اس کی حرص رکھتا ہو۔"

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ "لَا نَسْتَعْمِلُ عَلٰى عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَهٗ" (متفق علیہ)

ایک دوسری روایت میں یوں ہے آپ ؐ نے فرمایا "ہم اپنے انتظامی امور میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کرتے جو اس کا ارادہ رکھتا ہو۔"

۴۔ بدکردار آدمی کی رائے اس بات سے قطع نظر کہ ووٹ بیعت کے قائم مقام ہے یا نہیں۔ اگر بقول جمہوریت پسندوں کے ووٹ ایک مقدس امانت اور پاکیزہ شہادت ہے تو موجودہ طرزِ انتخاب میں ہر بُرے بھلے کو ووٹ دینے کا یکساں حق دیا گیا ہے۔ لیکن اسلام میں بدکردار آدمی کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ ارشاد باری ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا (۲۴/۴)

جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کر سکتے ان کو اسّی دُرّے مارو اور آئندہ کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو۔

۵۔ برے اور بھلے کی رائے یکساں نہیں ہو سکتی ارشادِ باری ہے۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۔ (۵/۱۰۰)

(اے پیغمبر) ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ آیا بُرے اور بھلے لوگ ایک جیسے ہو سکتے ہیں اگرچہ بُرے لوگوں کی کثرت تمہیں بھلی ہی کیوں نہ لگے۔

اسی طرح ایک بے شعور اور جاہل انسان کی رائے کی قدر و قیمت بھی وہی قرار نہیں دی جا سکتی جو ایک عالم اور باشعور انسان کی رائے کی قیمت ہوتی ہے ارشاد باری ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کیا عالم اور بے عالم برابر ہو سکتے ہیں؟

نیز قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ (۱۲/۱۶) اے پیغمبر! ان سے پوچھئے کہ آیا بینا اور نا بینا برابر ہو سکتے ہیں۔؟

۶۔ عورت کا حق رائے دہندگی: ریاست و سیاست کے میدان میں اسلام مساوات مرد و زن کا قائل نہیں ذمہ داری کے مناصب یا کلیدی اسامیاں (وزارت ہو یا صدارت یا کسی محکمہ کی ادارت) عورتوں کے سپرد نہیں کی جا سکتی۔ اس کا مقام شمع خانہ ہے رونق محفل نہیں۔

حضور اکرمؐ کو جب یہ اطلاع ملی کہ بنت کسریٰ (پوران، نوشیروان کی پوتی) کو اہل فارس نے بادشاہ بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا:

كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً (بخاری) "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنا سربراہ ایک عورت کو بنا لیا ہے۔"

ووٹ دینے کے سلسلے میں اگر اختلاط مرد و زن، یا بے حیائی اور فحاشی کا خطرہ بھی ہو تو ایسی صورتوں میں عورت کو ووٹ دینے کی قطعاً اجازت نہیں دی جا سکتی اور اس پر قرآن کریم کی بیشمار آیات شاہد ہیں۔

۷۔ قانون سازی: انسانوں کے لئے قانون دستور سازی کے جواز اور اس کی تفصیلات سے قطع نظر اگر اسمبلیوں میں کثرت رائے کا احترام کرتے ہوئے ایسے قانون بنائے جائیں جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوں، جیسے سود کا جواز، شراب کی حالت، یا ہم جنس کا نکاح وغیرہ تو یہ شرک ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ
〃 〃 〃 الظَّالِمُونَ
〃 〃 〃 الْفَاسِقُونَ
(۵/۴۴، ۴۵، ۴۷)

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (کتاب و سنت) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں ـــ ظالم ہیں۔ فاسق ہیں۔

۸۔ تفرقہ بازی: اس طرز انتخاب میں الیکشن کے دوران بے شمار سیاسی پارٹیاں جنم لیتی اور جوڑ توڑ میں مصروف ہو کر ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہو جاتی ہیں اور ملی وحدت کو پارہ پارہ کر کے افتراق انتشار کا باعث بنتی ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے یہ بات شرک کے مترادف ہے۔ ارشاد باری ہے۔

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ نماز قائم کرتے رہو اور مشرکین سے نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا (۳۰/۳۲)

ہو جاؤ (یعنی ان سے) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقہ فرقہ ہو گئے[1]

۹۔ حریف کی تذلیل: اس طرزِ انتخاب میں سیاسی سرگرمیوں کی مدت میں اپنے سیاسی حریف پر کیچڑ اچھالنے، اس پر الزام لگانے، بہتان تراشی کرنے، اس کے رازہائے درون اور گناہ ہائے تاریک کا پردہ فاش کرنے پر کوئی گرفت نہیں کی جاتی۔ حالانکہ یہ چیزیں شرعی احکامات کی رو سے حرام اور کبیرہ گناہ ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ (۴۹/۱۱)

اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری کا تمسخر نہ اڑائے۔ عین ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں۔

اور حضور اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے عظیم الشان خطبہ میں جسے انسانی حقوق کے چارٹر کا مقام حاصل ہے مسلمانوں سے یوں خطاب فرمایا۔

"مسلمانو! تم پر ایک دوسرے کی جانیں، مال اور عزت اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ شہر (مکہ) اور یہ مہینہ (ذی الحجہ) اور آج کا (عرفہ کا) دن حرمت والے ہیں۔"

۱۰۔ اسراف و تبذیر: ہر درخواست دہندہ الیکشن کے دوران اپنی کنویسنگ پر پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہے جبکہ یہ ہوس اقتدار، درخواست گزاری اور ان کے لئے کنویسنگ سب ناجائز امور ہیں۔ اور ان پر خرچ کرنا تبذیر ہے۔ عوام کا کاروباری نقصان الگ اور قومی خزانہ پر اخراجات کا بار الگ ہوتا ہے یہ طرزِ انتخاب دراصل مغربی عیاشی کی ایک شکل ہے۔ پاکستان جیسا غریب ملک اس کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔ ان اخراجات میں کچھ اسراف کی تعریف میں آتے ہیں اور بعض دوسرے تبذیر میں اور یہ دونوں چیزیں مذموم فعل ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (۱۷/۲۷)

بلا ضرورت خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

---

[1] واضح رہے کہ اسلام میں سیاست بھی دین ہے اس لئے سیاسی تفرقہ بازی کو دین سے خارج قرار نہیں دیا جا سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مغربی جمہوریت کے یہ نقصانات اور شریعت مطہرہ کی رو سے عدم جواز آج ہی یک لخت منظرِ عام پر آگئے ہیں۔ یا پیشتر ازیں بھی کسی نے ان کی نشاندہی کی ہے۔

ڈاکٹر اقبال ـــــ جو نظریاتی طور پر پاکستان کے بانی ہیں اور پاکستان میں ہر طبقہ ان کے پیغام کو گوشِ ہوش سے سنتا ہے ـــــ نے قیام پاکستان سے بہت پیشتر مسلمانوں کو مغربی جمہوریت کے نقائص اور تباہ کاریوں سے پوری طرح آگاہ کر دیا۔

آپ کو اس طرزِ انتخاب پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ اس میں ہر ایرے غیرے سے ووٹ لیا جاتا ہے اور ایسے ووٹ کی قدر و قیمت بھی وہی کچھ ہوتی ہے جو ایک ذی شعور اور تجربہ کار انسان کے ووٹ کی ہوتی ہے۔ اسے وہ خلاف عقل قرار دیتے ہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر دو سو گدھوں کی عقل اکٹھی ہو جائے تو بھی وہ ایک پختہ کار انسان کی عقل کے برابر نہیں ہو سکتی۔ فرماتے ہیں ؎

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو — کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

مغربی طرزِ انتخاب اسی قباحت کو ایک دوسرے مقام پر یوں واضح کرتے ہیں ؎

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں — بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

ڈاکٹر موصوف کو اس طرزِ انتخاب پر دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ ملی وحدت کا شیرازہ بکھیر دیتا ہے جس سے غیر ملکی نظریات فروغ پاتے ہیں اور ملک کی آزادی ہر آن خطرہ میں رہتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت — بنائے خوب آزادی کے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں — نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

وہ اس طرزِ انتخاب کی تباہ کاریوں سے خوب واقف تھے چنانچہ مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ اس کی ظاہری شکل و ہیئت دیکھ کر دھوکا نہ کھا جائیں۔ کیونکہ یہ نظام بھی فی الحقیقت جبر و استبداد کی ایک نئی شکل ہے۔ فرماتے ہیں ؎

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام — جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری
اس سرابِ رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو — آہ اے نادان قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

درج بالا تصریحات میں ڈاکٹر موصوف نے اس طرزِ حکومت کی خرابیوں کی طرف بڑے واضح الفاظ میں نشاندہی کر دی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ اقبال کے بعد بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو ہر طبقہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور ان کے ارشادات و فرمودات پر عمل کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ جمہوریت کے متعلق ان کا ریویو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں ۱۰ مارچ ۱۹۴۱ء کو جو تقریر فرمائی۔ اس کے درج ذیل اقتباس پر غور فرمایئے۔

"میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ جمہوری یا پارلیمانی نظام حکومت، جیسا کہ انگلستان اور بعض دوسرے مغربی ممالک میں ہے، برصغیر کے لئے قطعاً غیر موزوں ہے۔......" (نوائے وقت، ۱۱ جون ۱۹۸۹ء)

اس اقتباس میں بار بار کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قائداعظمؒ یہ حقیقت کئی بار مسلمانوں کو سمجھا چکے تھے۔

رہا یہ سوال کیا کسی عالم دین نے آج تک اس طرزِ انتخاب کو جائز قرار دیا۔؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انگریز بہادر جس تہذیب کے بیج یہاں بو گیا تھا۔ اس نے علمائے دین کے وقار کو معاشرہ کی نظروں میں ختم کر کے رکھ دیا تھا۔ علمائے حق اس وقت بھی حق کی بات کہتے رہے۔ مجموعی طور پر نہ سہی انفراداً ہی سہی۔ تاہم کہیں نہ کہیں سے یہ صدا اٹھتی رہی۔ مگر اس نقار خانے میں طوطی کی صدا کون سنتا تھا۔

معاصر جریدہ ترجمان القرآن نے دستور سازی کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے۔ ۱۹۴۹ء میں جب قرار دادِ مقاصد منظور ہوئی تو مختلف مکاتب فکر کے ۲۲ علماء نے یہی غنیمت سمجھا کہ چلو جمہوریت کے ساتھ اللہ کی حاکمیت اور اسلام کا نام تو آ گیا ہے۔ اس قرار داد کی شق نمبر ۳ کے الفاظ یہ تھے۔

"جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے گا۔" اب اس جمہوریت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق بنانا علماء سے زیادہ حکومت کی ذمہ داری تھی۔ کیا کبھی اسلامی نظریاتی کونسل یا اسلامی مشاورتی کونسل کی سفارشات کو "جو قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے پر مشتمل ہوتی تھیں ـــ ایوان حکومت میں کبھی شرفِ قبولیت بخشا گیا۔ پاکستان کے دین بیزار سربراہ عوام کو مطمئن کرنے کے لئے ایسی کونسلیں تو تشکیل دے دیا کرتے تھے لیکن انگریز کی یہ معنوی ذریت اسلام سے کبھی مخلص نہ رہی۔ سابقہ ادوار اور آج کے دور میں صرف یہ فرق ہے کہ آج کا سربراہ مملکت اسلام کے ساتھ مخلص ہے۔ وہ علماء کی قدر کرتا اور ان کی بات سنتا ہے۔ علماء کی کہی بات آج ایوان حکومت اور اسی طرح سیاسی سطح تک پہنچ جاتی ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے پہلے نہیں پہنچ پائی تھی[۱] یہی وجہ ہے کہ اس وقت علماء کی طرف سے جواز یا عدم جواز کی بحث کی ضرورت پوری کی جا رہی ہے ورنہ اس سے قبل تو کبھی انتخابات کے خلاف اس آواز کو سننا بھی گوارا نہیں کیا گیا بلکہ حتمی طور پر انتخابات کے اعلانات ہوتے رہے اور علماء بھی اسے اضطراری صورت سمجھ کر خاموش رہے کیونکہ جب حکومت انتخابات کرا رہی ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بھی درست نہیں کہ اقتدار کے ہمیشگی طور پر لادین عناصر کے قبضے میں دیکھ دیندار میدان سے ہٹ جائیں بلکہ اس صورت دفاع اسلام کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ اس وقت کسی نہ کسی صورت لادینیت کے سامنے رکاوٹ پیدا کی جائے تاکہ برائی کا زور کم ہو جائے۔ اس صورت میں دفاعی نقطہ نظر سے انتخابات میں حصہ لینے کا شرعی جواز بھی پیدا ہو جاتا ہے لیکن موجودہ حالات میں جو بحث چل رہی ہے وہ فروغ اسلام یا شریعت کے عملی نفاذ کے لئے انتخابات اور جمہوریت کی ہے۔

لہٰذا مغربی طرزِ انتخاب کے عدم جواز کے لئے جو قرآنی آیات یا احادیث پیش کی گئی ہیں، ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ قومی اتحاد کے دینی رہنما ان سے یا اسلامی طرزِ انتخاب[۲] سے ناواقف ہوں گے چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ان آیات و احادیث کا جواب قرآن و سنت سے ہی پیش کرتے یا ان کی کوئی واضح تر اور صحیح تر توجیہہ بیان فرماتے۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کیا ان کے عدم قبول کی یہ وجہ معقول اور کافی ہے کہ انہیں اس شد و مد سے آج سے پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا جیسے کہ آج کیا جا رہا ہے۔ کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ جن حضرات کے مفادات پر زد پڑنے کا امکان ہے وہ اب چیخنے لگے ہیں کہ ؎

ہائے اس کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا۔

عبدالرحمٰن کیلانی

۱۔ یہ غلط فہمی نہ رہے کہ اس بارے میں علمی میدان خالی ہے۔ علماء کی ضخیم کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں البتہ اس حد تک یہ بات درست ہے کہ عوامی سطح پر اس کا شور و غوغا حالات کی ناموافقت سے نہیں ہو سکا۔ اب حالات ایسے سامنے آئے ہیں کہ عوام بھی انتخاب نہیں چاہتے اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ آواز پہلی دفعہ اٹھی ہے۔

۲۔ اسلامی طرزِ انتخاب پر بہت کچھ کام ہو بھی چکا ہے اور اگر نیت بخیر ہو تو قلیل عرصہ میں مزید بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ اس طرزِ انتخاب سے عوام کو روشناس کرنے کے لئے ایک طویل مدت کی ضرورت ہمارے خیال میں عذر لنگ کے علاوہ کچھ نہیں۔

© rasailojaraid.com